

# مطلق العنان اقتدار کے تحت محمد و مذہبی مناصب

اولین تجربہ — عباسی دور میں

نعیم صدیقی

(۶)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام محمد کے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ بڑے تغلب کے نصاریٰ نے حضرت عمرؓ کے دور میں جو معاہدہ کیا تھا اور اس کے ذریعے اپنے لیے امان حاصل کی تھی، اس کی انہوں نے خلافت ورزی کی ہے معاہدہ میں انہوں نے اقرار کیا تھا کہ وہ اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے مگر بعد میں اس اقرار کے خلاف عمل کرنے لگے۔ پھر کیا اس نقض عہد کی وجہ سے ان کا خون مباح ہو جاتا؟ ظاہر بات ہے کہ فرماں روا کے اس طرح کے کسی استنفاذ کے پیچھے سیاسی مصالح کا فرما ہوتے تھے اور اس کا عندیہ جب تک رہا ہوتا تھا، نہ یہ کہ محض علمی ضرورت سے سوال کیا جا رہا ہو۔ امام محمد ہارون الرشید کے مصالح اور عندیہ سے بالکل صرف نظر کر کے صاف صاف جواب دیتے ہیں کہ یہ صلح حضرت عمرؓ کے دور میں قائم ہوئی اور بعد کے خلفاء نے اسے برقرار رکھا تو اب جبکہ کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، اس میں آپ کی دست اندازی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ ان کی جس خلافت ورزی کا آپ ذکر کر رہے ہیں جب اسے حضرت عثمانؓ نے جو آپ کے ابن عم تھے، انگیز کر لیا اور یہی صورت بعد میں برقرار رہی تو اب آپ اس معاہدہ کو کالعدم نہیں فرما رہے۔ ہارون نے اس مدلل قول حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور امام کی حق گوئی کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو مال کثیر دیا جسے امام نے مستحقین میں تقسیم

کر دیا۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ مسلمان حکمرانوں کے ساتھ وہ کونسی قوت و وابستہ تھی جس نے اقلیتوں کے حقوق کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو خطرے کے منہ میں دینا تک گوارا کیا۔  
 فرماں روا کی طرف سے استغناء کے بغیر بھی علمائے حق خلاف شریعت معاملات میں آرٹے آتے تھے، جس کی ایک مثال ہم بیان کر چکے ہیں کہ مامون کے دور میں جب معتد اور دیگر جرمزوں کو حلال کرنے کے لیے کتاب لکھ کر دربار میں لائی گئی تو قاضی یحییٰ بن اکثم نے خود آگے بڑھ کر اس کا ابطال کیا۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ علمائے حق نے مناصب قبول کرے اور درباروں میں قدم رکھنے کے بعد علم دین کے احترام کا تحفظ بھی بڑی مضبوطی سے کیا۔ انہوں نے دین اور علم دین کی حرمت کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو دربار داری کی گراوٹوں سے بچانے کی کوششیں کیں۔ اس کی بہت سی مثالوں میں سے ہم یہاں ایک ہی کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک بار ہارون الرشید مجلس میں آیا تو تمام لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مجلس میں امام احمد موجود تھے، وہ نہیں اٹھے۔ ہارون اس واقعہ سے کیسے صرف نظر کر لیتا، امام سے باز پرس کی کہ آپ کیوں نہیں اٹھے! امام نے اس کا جو جواب دیا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بہترین مثال تھا۔ فرمایا کہ جب آپ نے مجھے ارباب علم کے زمرہ میں جگہ دی ہے تو مجھے پسند نہیں کہ نوکروں اور خدمت گاروں میں شامل ہوں۔ ساتھ ہی حدیث مہر کار رسالت مآب پر بھی کہ جو شخص یہ خواہش کرے کہ لوگ اس کے اعزاز میں کھڑے ہوں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا

ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ کیسی سخت ضرب تھی بادشاہت کے مزاج چہ، مگر ہارون کو انحراف کرتے ہی نبی اور کہا کہ آپ نے درست فرمایا۔ یعنی علمائے حق نے اپنے آپ کو ملازما نہ بننے

۱۔ تاریخ خلیفہ بغدادی ص ۲، ص ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر حسن گیلانی

مروج ص ۳۷ تا ۳۸۔ غلامان اسلام از مولانا سعید احمد ایم، ص ۲۵۷، ۲۵۸۔

۲۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر حسن گیلانی مروج ص ۲۱۔ غلامان اسلام از مولانا سعید احمد ایم

تک کا شکار ہونے سے بچایا جس کی بنیاد حرصِ مال و حیا پر مبنی ہے اور یہ حرصِ مال و حیا آدمی کو رو بہا ہی کا ذوق دیتی ہے، خوشامد کا فن سکھاتی ہے اور بالآخر اندھی غلامی تک پہنچا دیتی ہے ان حضرات نے نہ اپنی مرضی اور نہ اپنے ضمیر کو گردی رکھا۔ اسی بلند خودی کے زور سے وہ مطلق العنان فرماں رواؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سچائی کا پیغام درباروں میں سناتے اور بادشاہوں کو حق کے گروے گھونٹ حلق سے اتارنے پڑتے۔ جیسے کہ ایک بار عبداللہ ابن طاووس نے منصور سے خطاب کر کے کہا تھا کہ: آخرت میں سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہو گا جسے اللہ نے حکومت میں سے حصہ دیا اور اس نے حکمرانی کرتے ہوئے ظلم کو روا رکھا۔<sup>۱</sup>

اور کلمۃ الحق عند سلطان جائز کی ایسی مثالیں اکا دکا نہیں بے شمار ہیں۔

ایسے علمبردارانِ صداقت کو خداوند تعالیٰ ایک باطنی قوت سے آراستہ کرتا ہے جس کا خاص رعب ہوتا ہے پھر ان کو خلق میں خاص اثر و وقار حاصل ہوتا ہے اور رائے عام ان کا ساتھ دیتی ہے۔ علمائے حق اسی باطنی روحانی قوت اور جہوری اثر کی وجہ سے فرماں رواؤں کے مقابلے پر جے رہتے تھے اور فرماں رواؤں کے دل ان سے لرزہ کھاتے تھے۔ اس قوت و اثر کی ایک بہترین مثال ہمیں یزید بن ہارون السلمی کی شخصیت میں ملتی ہے۔ مامون خلقِ قرآن کے متعلق اپنے دعویٰ کا اعلان کرنے میں انہی ابن ہارون کی وجہ سے تادیر متامل رہا۔ اس کا اپنا قول ہے کہ اگر یہ شخص نہ ہوتا تو میں عقیدہ خلقِ قرآن کا اعلان کرتا، کیونکہ اگر اس نے میری تردید کی تو لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جاتے گا۔ خدا کے اس بندے کی جرأت تھی کہ بے دھڑک پکار پکار کر کہا کہ جو شخص خلقِ قرآن کا قائل ہے وہ کافر ہے۔<sup>۲</sup>

مطلق العنان اقتدار کے مقابلے پر علمائے حق کے تحفظ کی جو خاموش جنگ لڑ رہے تھے اسے زیادہ سرگرم اور موثر بنانے میں امام ابوحنیفہ کا حصہ بڑا ہی گراں بہا ہے۔ امام نے

۱۔ ابن خلکان۔ ج ۱، ص ۲۳۳۔ غلامانِ اسلام از مولانا سعید احمد ایم۔ ۱۔ ص ۱۳۰۔

۲۔ غلامانِ اسلام۔ از مولانا سعید احمد ایم۔ ۱۔ ص ۲۹۲۔ ۲۹۵۔

متفرق انفرادی مساعی سے آگے بڑھ کر اس مقصد کے لیے ایک مضبوط ادارہ کی شکل میں ایک منظم محاذ پیدا کر دیا۔ ہمیں امام کے اس عظیم الشان کارنامے کا ایک اجمالی جائزہ لینا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی انقلابی شخصیت | امام ابوحنیفہ کی شخصیت تاریخی اعتبار سے فی الحقیقت ایک

انقلابی شخصیت ہے جس کا ضمیر اسلام سے بڑھی ہوئی مہمیت سیاسیہ سے متصادم رہا۔ ہم امام کے انقلابی عمل کا سرسری تذکرہ پہلے کر چکے ہیں۔ انہوں نے زید بن علی اور محمد بن حنفیہ کی تحریکوں کا ساتھ دیا اور کونہ میں بیٹھ کر ایک طرف مال سے انقلابی حرکت کی تائید کی اور دوسری طرف افراد کو اس میں حصہ لینے پر تیار کیا۔ پھر اس جرم عشق کی وجہ سے جب استبداد کی چکی میں پسے کا موقع آیا تو ایک جہل انتقامت ثابت ہوئے۔ اگر حضرت امام ابوحنیفہ اپنے اس کام کے علاوہ جو پوری طرح بار آور بھی نہ ہو سکا، کوئی دوسری خدمت دین و ملت کی نہ بھی انجام دے سکتے جب بھی وہ ہم سے ان عین اسلاف کی صفحہ اول میں جگہ پاتے جن کے کارناموں نے پورے ایوان تاریخ کو ہمیشہ کے لیے روشن کر دیا ہے۔ ان کے علمی کارنامہ نے ان کی عظمت کو مزید چار چاند لگا دیئے ہیں۔ لیکن تاریخ کے طالب علم کو یہ حقیقت بھی اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ امام کا علمی کارنامہ بھی ان کے سیاسی کارنامہ ہی کی ایک کڑی تھا، اور اس کے پیچھے بھی وہی جذبہ انقلاب کام کر رہا ہے۔ پس ان کے علمی کارنامہ کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے سیاسی کردار کو سمجھا جائے۔

امام کی انقلابی شخصیت ایک پہلو سے ہماری پوری تاریخ میں بے مثل اور ممتاز ہے۔ ہمیں دوسری انقلابی شخصیتیں زیادہ تر ایسی نظر آتی ہیں۔ اور وہ اپنی جگہ بے حد مبارک ہیں۔ جو اٹھیں، سیاسی قوت سے ٹکرائیں اور ختم ہو کر ہمیشہ کے لیے ایک پیغام بن گئیں۔

بنا کر دند خوش رسمے بناک و خون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینتِ را

وہ معاشرہ کے احساس کو چونکالنے کے لیے عقل کو محو تماشائے لبِ بام چھوڑ کر

یہ خطر آتش عشق میں کود گئیں۔ وہی بات کہ ع

بازی اگر چہ لے نہ سکا، سمر تو کھو سکا

ہماری تاریخ کے بیشتر انقلابوں کو مستبد بادشاہت کے نیچے چونکہ منظم آئینی تحریک چلانے کا راستہ نہیں ملا، اور چونکہ انہیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ایک غلط نظام کے نیچے پڑے پڑے معاشرہ اس کا خوگر ہو جاتے اور اس کے لیے غلط اور صحیح کا فرق کرنے والا شعور اور تبدیلی کی رو اٹھانے والی حس ہی باقی نہ رہے، اس لیے یا تو انہوں نے مسلح بغاوت اٹھائی اور یا پھر تنہا نعرہ حق بلند کیا اور جام شہادت نوش کر کے خاموش ہو گئے مگر ان کے نعرہ نے وقت پر معاشرہ کو ایک زلزلہ کی طرح جھنجھوڑ دیا اور بعد میں تاریخ کے گنبد سے اس نعرہ کی صدا سے بازگشت رہتی دنیا تک سنائی دیتی رہے گی۔ ان کے خون کے قطرے مٹی میں ملے تو کتنے ہی آنے والے انقلابات کے لیے بیج قرار پائے۔ ان کی وجہ سے آج تک ملت اسلامیہ گرم خون ہے۔

مگر امام ابوحنیفہ دل میں انقلاب کی جواگ رکھتے تھے وہ ٹھنڈی آگ تھی جو معاشرے کے بجلتے تادیر سلگ سکتی تھی۔ ان کا حال ”کیسے بن کی لاٹری“ کا سا تھا جس کی شان تھی سلگت ہوں دن رین۔ جذبہ ہائے آتشیں سینے میں رکھ کر اپنے طرز فکر کو ٹھنڈا بھی رکھنا، جوش کا طوفان اُبلتے ہوئے اس میں ہوش کی کشتی کو بھی سلامتی سے آخر دم تک کھیتے چلے جانا امام ابوحنیفہ کو اسلامی تاریخ کے مایہ ناز انقلابیوں سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے ہاں عالم کا دماغ اور انقلابی کا دل یوں ہم آمیز تھے کہ

روئے دریا سببیل وقعہ دریا آتش است

ان کا حنون حکیمانہ باشام و برد کا مسلک رکھنا تھا۔ مقصد کے لیے جذبہ عاشقانہ مگر طریقہ حصول مقصد کے لیے طرز فکر حکیمانہ۔ اس موقع پر حضرت امام ابوحنیفہ کے سیاسی طرز فکر اور طریق کار کے چند اہم پہلوؤں پر مطالبہ آنے چاہیں۔ یہ ضمنی گفتگو اجمال کے باوجود

طویل ہو جائے تو مجبوری ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے حکیمانہ فکر کا اولین مظہر تو یہی امر واقعہ ہے کہ انہوں نے زیر زمین (Under-Ground) کام کرنے کا طریقہ پورے شرح صدر سے اختیار کیا اور یہ ان کے اجتہاد پسند ذہن کا کرشمہ تھا۔ ان کے سارے فقہی اجتہادات ایک طرف اور یہ ایک سیاسی اجتہاد ایک طرف۔ حضورؐ کا نمونے کا کام کھلا کھلا کام تھا، صرف دعوت کا ابتدائی دور ایسا ہے کہ بڑی احتیاط کے ساتھ خاص خاص افراد تک خاص خاص افراد کے ذریعے پیغام پہنچایا گیا۔ مگر یہ دور جو فاصدع بعاتومر کے فرمانِ آسمانی سے ختم کر دیا گیا ایسا نہیں کہ اسے پوری طرح خفیہ تحریک کہا جاسکے۔ پھر اس کا مقصد کسی کے تحت اقتدار کو الٹنا بھی نہ تھا۔ مقصود فقط اتنا تھا کہ قبل اس کے کہ جاہلی معاشرہ کسی جذباتی ہیجان میں پڑ جائے مکہ کے جوہر قابل میں سے مردانِ کار کا زیادہ سے زیادہ ابتدائی سرمایہ اسلام کے گرد جمع کر لیا جاتے۔ پھر خلفائے راشدین کے دور میں تو معاشرہ اسلام کے زیر نگین تھا اور بیرونی طاقتوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ خود ہی میدان جنگ میں کرنا پسند کیا۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باغی عنصر نے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خوارج نے کچھ خفیہ کام بھی کیا مگر وہ کسی مومن کے لیے اُسوہ نہیں ہو سکتا۔ بعد میں ایک مثال مسلم بن عقیل کی ہے، جنہوں نے امام حسینؑ کی طرف سے کوفہ میں خفیہ بیعت لینے کی حد تک کام کیا لیکن امام حسینؑ خود علی الاعلان بادشاہت کے خلاف اٹھ چکے تھے اور ان کی اصل تحریک میں کوئی اختراع نہ تھا۔

بہر حال حضرت امام ابوحنیفہؒ کو یا نفسِ زکیہ کی تحریک کا کوفہ میں ہمہ تن ایک خفیہ مرکز تھے۔ زیر زمین کام کرنا بڑے ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ ممکن ہے، کوئی گرم خون آدمی اس ذمہ داری کو نبھانہیں سکتا۔ اس کام میں دماغ، جذبات اور زبان پر پورا پورا قابو درکار ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ آدمی کے ہجے اور رنگِ رخ کی تبدیلیاں بھی یہ عمامی نہ کریں کہ ذہنی کیفیت کیا ہے۔ درحقیقت جب کھلے میدان میں اظہارِ اختلاف کے دروازے بند کر دیئے جائیں،

جب جبر و استبداد کی فضا میں برسرِ عام کوئی دعوت دینا اور ایک خیال کے لوگوں کو منظم کرنا خارج از امکان کر دیا جائے، دوسرے لفظوں میں تبدیلی کی پُرمان امد کی گنجائش نہ چھوڑی جائے تو تاریخ بتاتی ہے کہ پھر وہی راستے رہ جاتے ہیں: ایک مسلح بغاوت، دوسرے سازش یا زیر زمین تحریکات۔ زید بن علی اور محمد بن حنفیہ کو جتنی قوت ہاتھ آئی اس کے بل پر انہوں نے پہلا راستہ اختیار کیا مگر بغاوت کی ان دونوں حرکات کا پینپنا بغیر اس کے ممکن نہ تھا کہ ان کو افراد، اموال اور آراء کے ذریعے مسلسل تقویت پہنچے۔ یہ کام تختِ استبداد کے سایے میں کھلے بندوں کرنا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہ نے یہی راستہ اختیار کیا۔ ان کی سرگرمی کار کے لیے ہم اس سے پہلے لفظ "جہاد" استعمال کر چکے ہیں۔ مگر اس سے مراد ان کی سرگرمی اور انہماک ہے، نیز تاریخ بتاتی ہے کہ اچھے خاصے بڑے پیمانے کا کام انہوں نے کر ڈالا۔ یعنی ان کے سیرت نگاروں کا منشا یہ ہے کہ خوب زور شور سے انہوں نے کام کیا۔ آخر ان کے سامنے ایک نہایت ہی فیصلہ کن بازی لگ رہی تھی جس کے نتیجے میں معاشرے کی تقدیر کا رُخ قرظوں کے لیے معین ہونے والا تھا۔ بہر حال انہوں نے اسلامی انقلاب کے کسی ایک ہی لگے بندھے نسخے کو اجزا کے رد و بدل کے بغیر استعمال کرنے کے بجائے حالات کے مطابق صحیح اور موزوں نسخہ اختیار کر لیا۔

(۲) زیر زمین کام کرنے والے انقلابی کے لیے ایک خصوصیت یہ لازم ہے کہ وہ آسانی سے نہ اپنے مخالف کی گرفت میں آئے اور نہ قانون کا ہاتھ اپنے پٹھے پر پڑنے دے۔ ورنہ اگر ایسا آدمی ہر بات کو فاش کہہ دے۔ ہر سوال کرنے والے کے ظاہرًا معصومانہ اور باطنًا مفسدانہ سوالوں کے دام میں آسکے، کسی بھی جوش انگیز منظم

۱۔ تاریخ القضا فی الاسلام۔ از محمد بن محمود عنونیں مصری ص ۷۷، بحوالہ واقدی،  
ایضاً المشافعی۔ ج ۱ ص ۳۰۰۔ مناقب موفقی۔ ج ۱ ص ۸۸ و ۱۷۱۔

کی ذہنی تحریک پر کھل جائے تو سارا منصوبہ ختم ہو کر رہ جائے۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ اس صلاحیت سے آراستہ تھے۔ اور اس سے انہوں نے خوب خوب کام لیا۔

امام ابو حنیفہ کے برعکس کھلے اور پر جوش انقلابی کارنگ دیکھنا ہو تو تحریک بغاوت کے ایک لیڈر ابراہیم بن میمون کی مثال ملاحظہ کیجیے۔ ابو مسلم خراسانی کی ان پر نظر تھی مگر موادِ ثبوت نہ تھا کہ ان کے بارے میں کوئی قطعی اقدام کر سکے۔ کارِ خاص آدمی ان کے پاس بھیجا اور ان پر سوال کیا گیا کہ کیا ابو مسلم خراسانی پر قاتلانہ حملہ کرنا جائز ہے؟ انہوں نے بلا تامل اثبات میں جواب دیا۔ یوں ان کا نقطہ نظر اچھی طرح سامنے آ گیا۔ ان کا پورا کام اسی مزاج کا آئینہ دار ہے۔ انہوں نے براہِ راست ابو مسلم خراسانی کو پہلے نرمی سے نصیحت کی، پھر نہایت سختی سے دعوت دی۔ نتیجہ یہ کہ گرفتار کر لیے گئے۔ علماء کی سفارش سے رہائی پائی۔ رہائی کے بعد مذکورہ بالا فتویٰ ابو مسلم خراسانی کے خاص فرستادے کے سامنے دیا۔ حد یہ کہ آخری ملاقات میں اس سے یہ کہہ آئے کہ میں تیرے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہوں، اقتدار ہاتھ میں نہیں ہے لہذا زبان سے جہاد کروں گا۔ بلکہ یہ تک اسے سنا دیا کہ میں اللہ کی خاطر تجھ سے بغض رکھتا ہوں۔ آخر ابو مسلم خراسانی نے انہیں قتل کر دیا۔

اب ذرا امام ابو حنیفہ کا ٹھنڈا مدِ تبرانہ طرزِ ملاحظہ ہو کہ راہِ کھ کے ڈھیر میں گرم چینگاریاں جھپٹا رکھنے والوں کو جب تلوار سے تیرا اور بال سے باریک راستے پر چلنا پڑتا ہے تو وہ کس طرح اپنا توازن برقرار رکھتے ہیں۔ اس صلاحیت کی ایک مثال تو وہ ہے جب حضرت ابو حنیفہ کو کوفہ میں خارجیوں کی عارضی حکومت کے دور میں گرفتار کر کے خارجِ کوفہ

۱۔ مولانا مناظر حسن گیلانی مرحوم کی رائے میں یہ فتویٰ ابراہیم کے سر لوہی تھو پانگیا تھا۔

۲۔ مگر فی الجملہ ان کا طرزِ فکر سخت تھا۔ ۳۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا گیلانی مرحوم ص ۱۸۶، ۱۸۷



ضحاک خارجی کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا گیا کہ یہ ہے اہل کوفہ کا سربراہ۔ خارجی معمول کے مطابق جس کا اولین تجربہ حضرت علیؓ پر کیا گیا تھا، امام سے مطالبہ کیا گیا: "یا شیخ! کفر سے توبہ کرو" توبہ کرنے کے معنی اپنے کفر کا اعتراف کرنے کے تھے اور پھر اس مفہوم کے ساتھ جو خارجیوں کا تھا۔ مگر کیا خوب راہ نکالی امام ابوحنیفہ نے، فرمایا: انا تائب من کل کفر۔ یعنی میں ہر کفر سے تائب ہوں اس جملے میں یہ مفہوم بھی مضمر تھا کہ پہلے سے تائب ہوں، چھوڑ دینے گئے۔ کسی درباری نے ضحاک کے کان بھرے کہ اس شخص کی مراد کفر سے خارجی عقاید ہیں۔ پھر بلائے گئے اور سوال کیا گیا کہ کیا کفر سے تمہاری مراد ہم لوگوں کے عقاید ہیں۔ امام نے ہاں یا نہ میں اس سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا یہ سوال کر دیا کہ آپ کی یہ بات گمان پر مبنی ہے یا یقین ہے کہ میں نے کفر سے یہ مراد لی ہے۔ خارجی سردار نے جواب دیا کہ صرف گمان اور ظن ہے۔ امام نے ان بعض الظن اثمہ پڑھ کر فرمایا کہ آپ نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اور گناہ آپ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق کفر ہوتا ہے اور آدمی کو خارج از اسلام کر دیتا ہے، اس لیے پہلے آپ اس کفر سے توبہ کیجئے۔ خارجی سردار نے توبہ کی اور امام سے مطالبہ کیا کہ اب تم بھی توبہ کرو۔ امام نے فرمایا: میں ہر قسم کے کفر سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔ رہا کر دینے گئے۔

ابن سیرہ کے ہاں ایک مرتبہ امام کا جانا ہٹھا اور موقع کچھ ایسا نکلا کہ ابن سیرہ نے سرکاری پالیسی جس کا غشا علماء کو قریب لانا تھا، کے تحت بڑے نرم انداز سے درخواست کی کہ اے شیخ! اگر ہمارے یہاں ذرا زیادہ آمد و رفت رکھیں تو آپ سے ہم فائدہ

لے مناقب موفی۔ ج ۱۔ ص ۱۷۷۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر حسن گیلانی

اٹھائیں اور آپ کہ ہم سے خاندہ پہنچے۔ امام کا جواب کیا ہی نہ پتا تھا کہ میں آپ کے یہاں آکر کیا کروں گا، آپ اگر مجھے قرب دیں گے تو آزمائش میں ڈال دیں گے اور دُور ہٹا دیں گے تو رسوائی میں ڈال دیں گے۔ اس مختصر سے جملے کے پیچھے اس دور کے سارے حالات کا عکس موجود ہے اور وہ بیان کیے بغیر بیان بھی ہو گئے اور لمبی کا کوئی پہلو بھی نہ نکلا۔ امام نے فرید یہ کہا کہ تمہارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس کی مجھے آرزو ہو اور نہ میرے پاس ایسی کوئی چیز ہے جس کی وجہ سے مجھے آپ کی طرف سے ڈر لاحق ہو۔ کتنی بلیغ بات کہی۔ کہنے کی بات اس طرح کہہ دینا کہ اقتدار کا معشوق ہزار شیوہ اسے سہجی جائے بڑی ذہنی ریاضت کے بعد ہی ممکن ہے۔

ان دو مثالوں سے بڑھ کر وہ مثال ہے جبکہ امام ابو حنیفہ کو ابو العباس السفاح کے سامنے دینی و سیاسی حیثیت سے ایک اہم عہد و اعلان کرنا پڑا۔ یہ واقعہ عام تاریخوں میں زیادہ نمایاں ہو کر نہیں آیا مگر حنفیہ کے لٹریچر میں ابو یوسف جیسی ذمہ دار ہستی نے داؤد طائی کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے کہ سفاح نے کوفہ میں تخت بچھاتے ہی علماء کو طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تقریر کر کے ان سے تعاون کی بیعت چاہی تبہید میں اس نے کہا کہ آخر خلافت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں تک لوٹ آئی اور خدا نے حق کو قائم کر دیا۔ اس کے بعد اصل مطلب کی بات یوں کہی۔

”اور آپ لوگ جو علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس کے زیادہ مستحق

ہیں کہ اس حق کی اعانت کے لیے آگے بڑھیں۔

اعلان کیا جاتا ہے کہ اس کے صلے میں آپ کے ساتھ داؤد و ہش کی جائیگی،

۱۷ مناقب موفقی۔ ج ۱، ص ۱۷۲، ۱۷۳۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی — از مولانا نذر

احسن گیلانی مرحوم۔ ص ۱۳۱، ۱۳۲۔

آپ کی عزت بڑھائی جائیگی اور اللہ کے مال سے آپ لوگوں کی خواہش کے مطابق خدمت کی جائیگی۔ پس چاہیے کہ جس شخص کے حصے میں خلافت آئی ہے اس کے ہاتھ پر آپ بیعت کریں۔ یہ بیعت حجت ہوگی۔ آپ کے حقوق کی بھی اور آپ کے فرائض کی بھی.....“

تاریخ اسلامی کا ایک عظیم خون ریز حکمران جو نیا نیا فاتح بھی تھا یہ مطالبہ کر رہا تھا۔ نامور علماء کی پوری ایک جمیعت سامنے تھی۔ ان حضرات کی مشکل کا اندازہ کیجئے۔ اگر صاف صاف طریق سے بیعت سے انکار کرتے ہیں تو ذبح ہو جاتے ہیں اور قبول کرتے ہیں تو ضمیر پر امرت داغ آتا ہے اور آئندہ کوئی کام کوٹا ممکن نہیں رہتا۔ اس مجلس علماء میں امام ابوحنیفہ بھی موجود تھے (واضح رہے کہ امام کا مکتبہ سے کوفہ میں مستقل طور سے منتقل ہونا تو بعد کا واقعہ ہے، مولانا گیلانی کے بقول اس موقع پر اتفاقاً امام کی آمد ہوئی ہوگی، علماء کی خاموش نگاہیں امام کی طرف اٹھیں، امام نے ان نگاہوں کو پڑھ کر خود ہی پیشکش کی کہ اگر آپ حضرات چاہیں تو میں اپنی طرف سے بھی اور آپ سب کی طرف سے بھی جواب عرض کروں۔ چنانچہ مجلس نے وکالت و نمائندگی کا فریضہ آپ کو سونپ دیا۔ امام نے تقریر کی اور تان اس بات پر توڑی کہ :-

”خدا کے حکم پر (عَلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ) ہم نے تمہاری بیعت کی اور اس بیعت کے ساتھ ہم قیام الساعہ تک وفادار رہیں گے“

یہ انتہائی محتاط قانونی فقرہ امام نے حسن خطابت کے ایسے لطیف پردے میں پیش کیا کہ سفاح کی توجیہ اس کی گھڑائیوں تک نہ جاسکی بلکہ وہ تقریر کے مجموعی رنگ سے متاثر ہو گیا اور اس نے داد دی کہ عجب کی طرف سے تمہی جیسے آدمی کو خطاب کرنا چاہتے تھے اور تم ہی اس کے

سزاوار تھے لے

وقت کا یہ لمحہ جو سیفِ قاطع تھا، مل گیا۔ علماء باہر آئے تو امام سے سوال کیا کہ آپ نے یہ کیا بات کہی۔ انھوں نے بس اتنا ہی کہا کہ آپ نے بات میرے حوالے کی، بس میں نے اپنے لیے بھی ایک راہ نکالی اور آپ لوگوں کو بھی مصیبت سے بچا لیا۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ امام کے مذکورہ بالا ذمہ معین فقرے کی گہرائی تھی ان کے سابقینوں میں سوال پیدا کر دیا۔ قطع نظر اس اہتمام کے کہ امام نے بیعت "امر اللہ" کی خاطر کی تھی، فقرے کا ایک پہلو دار جز "الی قیام الساعة" کے الفاظ تھے "الی قیام الساعة" کا ایک ظاہری مفہوم یہ تھا کہ "قیامت کے قائم ہونے تک ہم وفادار رہیں گے، اور السفاح کی نظر اسی مفہوم پر پڑھ گئی۔ مگر "الی قیام الساعة" کا مفہوم متکلم نے کچھ اور پیش نظر رکھا، جیسا تو کہا کہ میں نے ایک راہ نکالی۔ اس نکتے کو الکر دربی نے بھی لیا ہے اور کہا ہے کہ اس بات کی گنجائش ہے کہ امام ابوحنیفہ نے قیام الساعة کے الفاظ سے مراد اس مجلس سے اٹھنے کا وقت لیا ہو۔ تو یہ کایہ نہایت حکیمانہ استعمال ہے جس کی گنجائش اسلام نے دی ہے۔ ہماری رائے میں اس سے بڑھ کر ایک مفہوم اور ان الفاظ سے ٹپکتا ہے، یعنی "وقت آنے تک" یا کسی ساعت خاص کے ظہور تک" سے مراد یہ ہو کہ جو ہنی کہ ہم کوئی اقدام کرنے کے قابل ہو جائیں، اس مجبورانہ بیعت کو بالائے طاق رکھ دیں گے۔ امام کے اسلامی عزائم کا تصور سامنے رکھتے ہوئے یہ مفہوم

۱۔ مناقب، موفق، ج ۱، ص ۱۵۱، ۱۵۲۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی — از مولانا

منظر احسن گیلانی مرحوم، ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

۲۔ مناقب امام ابوحنیفہ — از کر دربی، ج ۱، ص ۲۰۰۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔

از مولانا منظر احسن گیلانی مرحوم، ص ۱۴۷، ۱۴۸۔

زیادہ قریب الفہم ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہ کا نظریہ سیاسی یا فلسفہ انقلاب محض کسی سادہ سے جذباتی فارمولے پر مشتمل نہ تھا۔ سیاسی تبدیلی کی ہم اٹھانے کے لیے ان کے سامنے اسلام کے بعض محکم اصول اور لازمی شرائط تھے۔

زید بن علی اور ابراہیم بن میمون الصائغ کی امام صاحب نے قلبی، مالی اور لسانی اعانت بھی خوب کی، مگر بغض نفیس عملاً خروج میں حصہ بھی نہیں لیا۔ اس کی وجہ مقصد میں اتفاق کے ساتھ ساتھ عملی اقدام میں وجہ اختلاف کا پایا جانا ہے۔ ایک طرف امام کا حال یہ تھا کہ ان دونوں حضرات کی تعریف کرتے تھے مقصد حق کے لیے اور ان کے جذبہ کار کو بے حد سراہتے تھے۔ حتیٰ کہ زید بن علی کے بارے میں فرمایا کہ ان کا نکلنا حضور کے بدر کو نکلنے کے مشابہ ہے اور ابراہیم کے متعلق فتویٰ دیا کہ ابراہیم کی اعانت و رفاقت میں کام آجانا دکنار سے لڑنے کے لیے، مصیبت کی چھاؤنی میں قیام کرنے سے بہتر ہے بلکہ ان کے معرکے کو "بدر صغریٰ" قرار دیا۔ زید کے متعلق تو یہاں تک فرماتے: "ان کے مرتبے کا آدمی دوسرا کوئی نہیں" لکہ دونوں کی وفات ہونے پر جب بھی ان کی یاد آئی تو امام کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا۔ پھر ان دونوں کو مالی مدد دینا اور ان کی رفاقت کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا بھی پیش نظر ہے۔ مگر بات عجیب لگتی ہے کہ ایک معرکہ پسند انقلابی ہونے کے باوجود خود میدان میں نہیں اترے۔ اور اس کے لیے کسی مرض کا عذر،

سہ حوالے پہلے درج ہو چکے ہیں۔

۱۔ تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۳، ص ۲۶۶۔ ابن عساکر ج ۲، ص ۳۵۰۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۵۷

۲۔ تاریخ القضا فی الاسلام۔ از محمد بن محمد عربی ص ۷۴۔

۳۔ مقدمہ مرض الکبیر ص ۵۔

امانتوں کا عذر اور والدہ کی خدمت کا عذر بھی تاریخوں میں مذکور نہیں ہے مگر ان عذرات کے صحیح ہونے کے باوجود بات کچھ اور تھی۔ امام کے نہایت ہی سختہ نظریہ انقلاب کے مطابق بعض ضروری شرائط پوری نہیں ہوتی تھیں۔ اور کچھ کام کے لیے امام کا ذہن تیار نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت زید کی طرف سے نمائندہ بن کر فضیل بن زبیر کو فتنہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ اس پر امام نے یہ سوال کیا کہ زید کا رابطہ کن فقہا سے ہے؟ مقصود یہ جاننا ہو گا کہ دینی اکابر میں سے کون ساتھ ہیں؟ بات بیعت کے بعد حضرت زید کی اعانت کے لیے ایک رقم (ہزار ہزار روپے کی دس تھیلیاں) پیش کرتے ہوئے مطالبہ بیعت کا جواب دیا کہ اگر جانتا کہ لوگ (اہل کوفہ) راست باز ہیں اور وقت آنے پر ساتھ چھوڑ نہ دیں گے تو میں ضرور زید کی پیروی کرتا اور ان کے مخالفوں سے جہاد کرتا۔ یعنی امام کو اطمینان نہ تھا کہ زید کے ساتھ مخلص لوگوں کی کوئی ٹھوس جماعت ہے۔ زیدی تحریک کے اس کمزور پہلو کو ادروں نے بھی بروقت بھانپ لیا تھا، چنانچہ سلمہ بن کہیل نے مفصل مکالمہ کر کے حضرت زید کو بیعت کنندگان کے عذر کا اندیشہ دلایا اور باز رکھنا چاہا۔ کوفہ کے امام اعش نے بھی یہی خطرہ ظاہر کیا۔ عبداللہ بن حسن نے حضرت زید کو خط لکھ کر متنبیہ کیا کہ ”ان (کوفیوں) کی زبانیں آگے آگے چلتی ہیں مگر ان کے دل ساتھ نہیں دیتے“ اور ”اگر چھوڑ دیئے جائیں تو کھسے پڑتے ہیں، لڑائے جائیں تو بزور دلی دکھاتے ہیں اور کٹھن کام کے لیے بلائے جائیں تو اٹھے پاؤں پھر جاتے ہیں“۔ ذہبی کا کہنا تھا کہ کاش زید ہشام کے مقابلے کے لیے نہ نکلے ہوتے۔ گویا امام کو دوسرے اہل بصیرت کی طرح جہاں حضرت زید کی شخصیت پر اطمینان تھا وہاں ان کی جماعت پر بھروسہ نہ تھا۔ چنانچہ آخر الام کو فی بیعت کنندگان

۱۷۰ ایضاً ص ۲۶۰

۱۷۰ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۱۷۷ تا ۱۷۹

نے بیوفائی کی۔

یہی صورت ابراہیم الصالح کی تھی۔ ابراہیم نے امام کے سامنے دعوت رکھی، بحث کی اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ دونوں کے درمیان اس پر اتفاق تھا کہ یہ کام خدا کی طرف سے فرض ہے۔ (قولِ امام: "دعانی الیٰ حق من حقوق اللہ")۔ اس پر ابراہیم نے کہا کہ ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس مطالبے کو قبول نہ کرتے ہوئے امام نے ایک تقریر کی اور کہا کہ اگر اس فرض کو ادا کرنے کے لیے دو ایک آدمی کھڑے ہونگے تو قتل کر دیئے جائیں گے اور خلقِ خدا کے لیے کوئی خاص کارِ خیر سرانجام نہ دے سکیں گے۔ اسی تقریر میں اپنے نظریۂ انقلاب کے شرائطِ رحیم کی بنا کتاب و سنت پر ہے، کمالِ ایجاز سے بیان کر دیئے۔ ضروری نکات یہ ہیں:

— یہ فرض ہے مگر ایسا فرض نہیں کہ جس کے لیے کوئی شخص تنہا اٹھ کھڑا ہو۔

— اس کے لیے ایسے مددگار درکار ہیں جو صالح ہوں اور عواماً صالحین،

— ان کی قیادت کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو اللہ کے دین پر

ذخا بل اعتماد و حد تک، استوار رہے۔

— یعنی حاصل یہ کہ کسی مردِ صالح کی قیادت میں منظم طاقت وجود پذیر ہو۔

اس نظریۂ انقلاب کی وجہ سے نہ تو آپ کو پورا اطمینان تھا کہ میدان میں اتر جانے

اور نہ یہی گوارا تھا کہ تاریک ترین دورِ استبداد میں جو مردانِ کارِ اقامتِ دین کے مبارک

مقصد کے لیے اٹھے ہیں ان کی مساعیِ اکارت جائیں۔ بنا بریں ان سے بھرپور تعاون

بھی کیا۔

(۴) امام ابوحنیفہ کی تیسری خوبی یہ تھی کہ "تخت یا تختہ" کے سادہ کلیہ کے مطابق

۱۷۹ تا ۱۷۷

سپہنے اور کامیابی کی راہ نہ رکھے تو مخالفت قوت سے سیدھے سیدھے ٹکرا جانے کے بجائے وہ لمبے منصوبے پر میدان کار اور طریق کار کو بدل بدل کر کام کر سکتے تھے۔ اسلامی تاریخ کے داعیان حق کی صفوں میں بیشتر ایسے انقلابی ملتے ہیں جنہوں نے ایک نقشہ پر کام کیا اور پھر اگر کامیابی کا دروازہ نہیں کھلا تو انہوں نے نقشہ کار کو بدلنے کے بجائے سیدھے آگے ہی آگے قدم بڑھا کر اپنے آپ کو دیوارِ مزاحمت سے ٹکرا دیا۔ جس کی اولین نظیر حضرت امام حسینؑ نے قائم کی۔ وہ غزوہ اپنی جگہ بے حد قیمتی ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ کا پیش کردہ دوسرا نمونہ بھی بے حد قیمتی ہے۔

کسی انقلابی کا کلمہ حق کہہ کر سلطانِ جاثر کی تیغِ ظلم کا شکار ہو جانے میں جہاں خیر و برکت کا یہ پہلو تھا کہ معاشرے میں خدیثہ احوالے اسلام متحرک ہوتا تھا اور احساسِ سن نہیں ہونے پاتا تھا، وہاں اس کا دوسرا اثر بعض حالات میں یہ بھی ہوتا تھا کہ عوام پر خوف سے کپکپی طاری ہو جائے۔ اور تبدیلی کے امکان ہی سے مایوسی ہو جائے۔ امام ابوحنیفہ کی نظردوزوں جانب رہی۔ ان کا قول پر روایت علامہ ابوبکر الحیصا ص یہ تھا کہ :

”اپنے آپ کو جیاب رہ سے ٹکرا کر قتل کر دینے میں ایک اور مصلحت بھی مائع ہے۔ وہ یہ کہ اس قتل کے بعد اندیشہ ہے کہ دوسروں کے حوصلے بھی باطل کے مقابلے میں پست ہو جائیں گے۔“

یعنی ان پہلوؤں کو جانچ تول کر ہی کوئی اقدام کیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسا داعی جس کے سامنے قطعی طور پر بے حس معاشرہ ہو اور کام کرنے کا سرے سے کوئی میدان نہ مل رہا ہو تو پھر ظلم کی قوت سے ٹکر لے کر تاریخ میں توجہ پیدا کرنا افضل الجہاد ہے۔ لیکن اگر معاشرہ کے حالات بالکل تاریک نہ ہو گئے ہوں، اس میں قلبِ حساس باقی ہوں اور کام کرنے کا

۱۔ احکام القرآن از حیصا ص ج ۲ ص ۳۳۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر حسن گیلانی ص ۱۸۱



ایک یا دوسرا یا تیسرا میدان مل سکتا ہے تو پھر فیصلہ کن تصادم سے بچ کر کام کا تسلسل کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھنا ہی صحیح طریق کار ہے۔ امام نے اسی پر عمل کیا۔

حضرت امام نے ایک طرف اقتدار کا آلہ کار بننے سے اپنے آپ کو شدید آزماتش سے گذر کر بھی بچایا، دوسری طرف زیر زمین کام کر کے حکومت کے تخت کو اٹھنے والی تحریک کا ساتھ دیا، اور جب ان منفی اور مثبت دو گونہ مساعی سے بھی گوہر مراد ہاتھ نہیں آیا تو نہ تو ہمت ہار کر اپنے مقصد سے روگردانی کی اور نہ اپنے آپ کو اقتدار سے ٹکر کر یکبارگی کھیل ختم کیا بلکہ حصول مقصد کے لیے نئی راہ نکالی اور نیا طریق کار وضع کر لیا۔ وہ کام جسے آج ہم تدوین فقہ کا عنوان دیتے ہیں، درحقیقت امام نے اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے ہاتھ میں لیا جسے وہ براہ راست سیاسی میدان میں حاصل نہ کر سکے تھے۔ انھوں نے اپنے مقصد کو گویا مستقبل تک پھیلایا اور آئندہ نسلوں کو شریک کار کرنے کی ٹھانی۔ انھوں نے سرزمین علم میں انقلاب کی تخم ریزی کے لیے کسان کی سی لمبی صابرانہ محنت کا بالکل نئے سرے سے آغاز کیا۔ انہوں نے ایک فکری محاذ پر پاؤں رکھنے کا ارادہ باندھ لیا اور پھر اسی ہمہ گیر مصروف ہو گئے۔

## ایک ضروری اعلان

ہم نے اس امر کا اہتمام کیا ہے کہ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، مکتبہ چراغ راہ، مکتبہ تعمیر انسانیت اور دوسرے اسلامی لٹریچر شائع کرنے والے اداروں کی کتب دفتر ترجمان القرآن سے بھی ضرورت مند حضرات کو مل سکیں۔ قارئین کرام اپنی ضرورت کے مطابق آرڈر بھیج سکتے ہیں۔

بینچر شعبہ کتب ادارہ ترجمان القرآن

آچھرہ لاہور